وہ اپنے گھر کی گلی میں آئی اور دُھول پر چلتی کواڑ کھول کر چھوٹے کمرے میں آگئی ۔ برابر میں راہداری تھی جو پانی کے کمرے میں جاتی تھی جہاں کنواں تھا ۔۔۔ اور اسے یاد آیا کہ وہ شائد ایک پہر دریا میں بیٹھی رہی کان لگا کر بیٹھی رہی پر اس نے اپنی پیاس کو کم نہ کیا اور اسے اب یاد آیا کہ ادھر اس کا اپنا کنواں ہے ۔ کنویں والے کمرے میں صرف راہداری آتی تھی اور یہاں پہنچ کر دن میں بھی پاروشنی دیر تک دیکھتی رہتی اور تب جا کر اسے منڈیر پر رکھا بو کا اور اس سے بندھی سلما کی رسی دکھائی دیتی ۔۔۔ اور اب تو باہر بھی رات تھی اور پوری کالک کے ساتھ تھی ۔۔۔ اسے بہت دیر تک کچھ سجھائی نہ دیا اور جب کچھ دکھائی دیا تو وہ ڈورگا کا سیاہ وجود تھا جو منڈیر پر بیٹھا اسے تکتا تھا ۔ وہ جھجھک گئی کہ یہ کیا ہے اور یہاں کیا کرتا ہے اور پھر ڈورگا خود ہی بولا "میں آپ ہی چپ رہا کہ تو ٹھٹھک نہ جائے ۔"

"تم اس سمے یہاں کیا کرتے ہو"؟

میں اس سمے ہر رات پانی لینے ادھر آتا ہوں" اور اس نے بو کے پر ہاتھ رکھا ۔۔۔ "اور اسے باہر کھینچنے میں میرا زور لگا تو میں کچھ ہانپ گیا ۔ بس یہاں دم لیتا ہوں کہ ٹھیک ہو جاؤں تو چلوں ۔۔ اور تم ادھر کیا کرتی ہو ؟"

"میں تو اپنے گھر میں آئی ہوں ۔۔۔۔"

"ہاں ، پر سارے لوگ اُدھر ہیں تو تم اکیلی اِدھر کیا کرنے آئی ہو ؟"

"میں بس اب آگئی ہوں ۔۔۔ مجھے پانی دو"

ڈورگا نے بھرا ہوا بو کا اٹھا کر اسے جھکایا اور پانی کی دھار کے نیچے پاورشنی نے ہتھیلیاں جوڑ دیں ۔ تاریکی کی وجہ سے وہ فوراً دھار نیچے نہ آئیں اور تھوڑا سا پانی فرش پر چھینٹے اڑاتا گرا۔ ان میں سے کچھ چھینٹے پاروشنی کی ٹانگوں پر پڑے ۔۔

"تم ادھر سو رہو ڈورگا"

"تم میں ڈر ہے اس لئے"

"نہیں مجھ میں کچھ بھی نہیں ہے ۔ میں خالی ہو گئی ہوں جیسے منڈیر پر رکھا بو کا ہوتا ہے ۔ مجھ میں ڈر نہیں ۔۔۔ تم جاؤ"

ڈورگا اپنی جھجھر بھرنے کے بعد جانے لگا تو وہ اندھیرے میں کہیں رکا" ۔ ایک عجیب بات ہے جو میں نے ورچن سے کہی تھی تم سنو گی؟" ۔

"سناؤ" ۔۔۔

ڈور کانے جھجھر کو سر سے اتار کر کہیں منڈیر پر رکھا اور ایک گہرا سانس لے کر کچھ بولنے کو تھا کہ پھر چپ ہوا اور پھر کھانسا اور پھر جھجھر کو اٹھا کر سر پر رکھتے ہوئے جانے لگا ۔ "تم خود ہی جان لوگی "۔۔۔ اور چلا گیا ۔

پاروشنی ویہڑے میں گئی اور تھڑے پر بچھی پرالی پر لیٹ گئی ۔ اس کے پاسے پلٹنے سے پرالی چرمراتی تھی اور پاسے وہ بہت پلٹتی تھی کہ وہ پہلے خالی تھی تو اب بھر چکی تھی اور اسے گھبراہٹ نے بھرا تھا اور ایک ڈر نے بھرا تھا جسے اس کا جسہ خشک ریت کی طرح اپنے اندر چوستا تھا ۔ وہ جان چکی تھی کہ جب سے وہ ہے اور یہ دریا ہے اور اس کے ساتھ بستی ہے اور بستی کے لوگ ہیں اور اُدھر رکھ ہیں جن میں خشک جھیل ہے اور اس پر گرنے والے پرندے ہیں اور مور ہے اور کھیت ہیں اور آوے کا دھواں سیدھا آسماں کو جاتا ہے اور جب سے وہ جنم لیتے ہیں تو روتے ہیں اور جب سے ایک نے جنم لیا اور نہ رویا اور اس رات کل جگ کے پکھیرو مینہ کی طرح پانیوں پر گرے تو جب سے یہ سب کچھ ہے تو اس سب کچھ میں بڑے پانی کا آنا بھی تھا تو باقی سب کچھ ویسے ہی ہے پر وہ اس بار نہیں آئیں گے ۔۔۔ پہلی بار ۔۔۔ اور یہ پاروشنی جان گئی تھی اور گھبراہٹ اس کو بھرتی تھی ۔

"می آؤں می آؤں" ۔ رکھوں میں مور بولا

مور کے رانگلے پر ڈھیلے پڑ رہے تھے جیسے الگنی پر سوکھتا کپڑا ہو جو ڈھلکتا ہو اور دھوپ سے اس کا رنگ اڑتا ہو تو اس کے رنگ بھی اب پھیکے ہو رہے تھے ۔ وہ اپنی بوڑھی ٹانگوں پر کھڑا تھا اور اس کی آنکھیں دیکھتی نہ تھیں اور اس کے اوپر پیپل کے ایک گنجے ہوتے رُکھ میں وہ دونوں بیٹھے تھے اور ادھر کو دیکھتے تھے جدھر سے وہ آئے تھے پر ابھی مور کو دیکھتے تھے ۔

"اسے اب اُکا دکھائی نہیں دیتا مامن ماسا دیکھ لو پچھلے کئی روز سے اپنی جگہ سے ہلا نہیں یہیں کھڑا ہے ۔"

"ہاں یہ اتنے روز سے ادھر ہے جتنے روز بستی والے دریا کنارے بسیرا کر کے پھر واپس اپنے چھپروں کو لوٹے ہیں بس اتنے روز سے ۔"

"اِسے کچھ ہو گا تو نہیں ؟ ۔۔ اِن رُکھوں میں صرف ہم تین ہی تو بندے ہیں باقی تو جنور ہیں ۔۔۔ اِسے کچھ ہو گا تو نہیں ؟"

"نہیں ۔ یہ تب سے ہے جب سے میں ہوں اور مجھے ابھی کچھ نہیں ہوا تو اسے کیا ہو گا" ۔

مور نے گردن لمبی کی اور پھر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اپنی مہین ٹانگیں جو مشکل سے اسے سہارتی تھیں آہستہ آہستہ اٹھاتا وہ ادھر سے چلا گیا جہاں وہ اتنے روز ٹھہرا تھا جتنے روز بستی والے دریا کنارے ٹھہرے تھے ۔

"تو وہ واپس چلے گئے تھے ۔" چیوا نے کہا

"ہاں ۔ وہاں بیٹھ کر کیا کرتے ۔۔ سب سے پہلے پاروشنی گئی اسے میں نے دیکھا اور پھر ورچن اور سمرو اسے دیکھنے کو گئے کہ وہ کہاں گئی ہے اور پھر دوسرے سارے ۔۔۔ اور پھر وہیں ورچن نے کہا کہ اگر ایک بار بڑے پانی نہیں آرہے تو کیا ہوا اگلی بار آجائیں گے ۔ میں نے ایسی بستیاں دیکھی ہیں جو دریاؤں کے کنارے بستیاں ہیں پر ان کے پانی کناروں سے باہر آکر کھیتوں میں نہیں پھیلتے تو بھی وہ بستیاں ہیں اور وہاں فصلیں ہیں اور جنور ہیں تو ہمارے پاس دریا تو

ہے ۔ یہ تو یہاں ہے ہم اس کا پانی نکال کر کھیتوں کو لے جاتے ہیں ۔۔۔"

"اچھا یہ اس نے کہا ورچن نے ۔۔۔ وہ ادھر جو جاتا ہے ۔ کالی بنگن اور ہری یوپیا کو تو وہ جانتا ہے ۔۔۔"

"وہ جانتا تو ہے"۔۔۔ ماسا نے دانت نکوسے "پر وہ نہیں جانتا ۔ نہیں جانتا" ۔

"تو ۔ پھر کیا ہوا مامن ۔۔۔ پھر کیا ہوا ؟" چیوا نے اس کی پسلیوں میں ایک ٹہنی چبھوتے ہوئے کہا ۔ "پھر پکلی کے آوے کے سارے بھانڈے وہ لے گئے ۔ جھجھریں ، گھڑے ، مٹ اور مرتبان اور وہ سب کچھ جس میں پانی ڈھویا جاسکتا تھا اور پھر میں نے ان کو دیکھا کہ وہ گھا گھرا سے لے کر ادھر رکھوں تک آتے ہیں ، جہاں تک کھیت کھودے ہوئے ہیں ، ان کا خیال تھا کہ سب سے پہلے ان کھیتوں میں پانی ڈالا جائے جو دریا سے دور ہیں ۔۔ تو یہ ہوا کہ پہلے پہل تو ہر کوئی جہاں جی چاہتا تھا پانی انڈیل دیتا تھا اور جب وہ بڑی دیر ادھر سروٹوں کو پار کر کے اونچے کنارے پر چڑھ کر دوسری طرف جا کے پھر پکلی کے آوے کے پاس سے ہوتے ہوئے زیتو بیلوں کے باڑھے کے قریب سے گزر کر ادھر پہنچتے جہاں انہوں نے کھیت میں دو چار گھڑے پانی ڈالا تھا تو اتنی دیر میں وہ خشک ایسے ہو جاتا کہ اس جگہ کا بھی پتہ نہ چلتا جہاں پانی ڈالا گیا تھا ۔۔۔ ہا ہا ۔ ہا ۔" ماسا کی پوری بتیسی کھلی اور وہ ہنسنے لگا پر اس ہنسی میں زور نہ تھا پہلے یہ ہوتا تھا کہ وہ ہنستا تھا تو رکھوں کے سارے پکھیرو ٹھٹھک کر اڑتے تھے پر اب اس کی ہنسی میں زور نہ تھا وہ ان تک پہنچتی نہ تھی اور یوں بھی اب وہ کم ہو گئے تھے ، ٹھٹکتے بھی تو کتنے وہ اب کم ہو گئے تھے ۔ اسے ہنستا دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے چیوا بھی ہنسا کیونکہ ماسا ہمیشہ اس بات پر ناراض ہوتا تھا کہ اگر میں ہنسا ہوں تو تم نے بھی میرا ساتھ دینا ہے ہم رکھوں میں ایک جیسے ہوں گے تو چیوا بھی ہنسا اور پھر چپ ہو گیا ۔۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ماسا کی پسلیوں میں پھر ٹہنی چبھوئی اور وہ آنکھیں بند کر کے اونگھ میں تھا ۔۔۔ تو وہ آنکھیں کھول کر حیرت سے ادھر ادھر تکنے لگا جیسے اسے پتہ نہ ہو کہ وہ کہاں ہے اور پھر یکدم اس نے چیوا کا منہ ہاتھ میں بھینچ کر اس کے گال پر چوما اور کہنے لگا ۔۔ "میں اب بات کرتے کرتے سو جاتا ہوں ۔ میں کیا کہہ رہا تھا" ۔

"جہاں وہ گھڑے سے پانی ڈالتے تو واپسی پر سوکھ جاتا تھا" ۔

"ہاں ۔۔۔ تو پھر انہوں نے یہ کیا کہ صرف ایک کھیت کو چنا کہ اسے پانی دے لیں گے تو پھر دوسرے کو دے لیں گے ۔ تو وہ جھجھریاں اور گھڑے اور مٹ اٹھائے جنوروں کی طرح دریا اور کھیتوں کے بیچ مشقت کرتے رہے اور ان کا پسینہ زیادہ بہا اور کھیت کو پانی کم ملا ۔۔۔ فاصلہ

زیادہ تھا اور کھیت کب سے سوکھا تھا اس پر مینہ بھی نہیں برسا تھا تو سارے دن میں ساری بستی نے مل کر کھیت کے اتنے حصّے کو گیلا کیا جتنے حصّے پر ہم دونوں جو بیٹھ جائیں تو وہ نظر نہ آئے ۔۔۔ ہاہا ۔۔۔" ماسا پھر سے ہنسنے لگا ۔

"نہیں ماسا" چیوا نے فوراً اس کے کھلے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ۔ "پہلے بات پوری کر پھر ہنس" ۔۔۔

"تم کیوں نہیں دیکھ رہے تھے ؟ تم دیکھ لیتے خود ۔۔۔۔ تم اصل میں ابھی تک وہیں ہو ۔۔ وہاں سے آئے نہیں اور اسی لئے ان کے لئے دکھی ہوتے ہو ۔۔۔ پر تم تو میرے لئے بیر لینے گئے تھے ہاں مجھے یاد آیا میرے بیر کہاں ہیں ؟

"وہ پیلو" ؟

"ہاں وہی ۔۔۔"

"پہلے بات پوری کرو پھر دوں گا ۔۔۔"

ماسا کی مہین آنکھیں سرخ ہو کر ابلنے لگیں اور وہ ٹہنی پر بیٹھا اچھلنے لگا ۔ "کیا کرنے آئے تھے میرے رکھوں میں ۔ جانتے نہیں یہ میرے ہیں ۔۔۔ بودن اور چھوٹے سر والے مَیں تمہاری گردن دبا دوں گا ۔۔۔ دبا دوں؟" اس نے چیوا کی گردن پر بنا بوجھ ڈالے ہاتھ رکھا اور جب وہ کچھ نہ بولا تو ماسا فوراً نرم پڑ گیا اور اچھلنا بند کر کے آرام سے کہنے لگا "ہاں تو میں کیا بتا رہا تھا"

"سارے دن میں ساری بستی نے ذرا سا کھیت گیلا کیا ۔"

"ہاں ۔۔ ایسا ہی ہوا ۔۔ اور پھر دوسرے روز بھی وہ اسی کام میں جُت گئے ۔۔۔ ان کے پاؤں سوج گئے اور سانس چڑھ گئے اور وہ چلتے ہوئے گر جاتے اور ان کے کھلے منہ سے ہونکنے کی آوازیں مجھے یہاں تک سنائی دیتیں ۔۔۔ اور پھر پاروشنی اپنے چھپر میں سے آئی اور کہنے لگی ۔۔۔"

"می آؤں ۔ می آؤں" مور کہیں دُور بولا

"۔۔۔۔ پاروشنی ان میں نہیں تھی جو دریا کا پانی بھرتے تھے اور کھیتوں میں انڈیلتے تھے ۔ وہ ان سب سے الگ رہی جیسے جانتی ہو کہ یہ ہوتا نہیں جو یہ کر رہے ہیں تو وہ اپنے چھپر سے آئی اور کہنے لگی ۔ "وہ بستیاں اور ہوتی ہیں جن کے دریا کا پانی بھر کر کھیتوں میں لے جایا جا سکتا ہے ۔ ان کے کھیت اور فصلیں اور ہوتی ہیں اور ہم وہ نہیں ۔۔۔ گھاگھرا خود اپنے آپ میں سے باہر آ کر کھیتوں کو جاتا ہے اور انہیں سینچتا ہے ۔۔۔ اسے کوئی اور نہیں لے جا سکتا ۔۔۔ تم

اپنے کو ہلکان نہ کرو ۔۔ ہو سکے تو کنک تلوں اور سالو کا بیج کھیتوں میں سے کھود نکالو شائد اگلے برس کام آسکے ۔۔۔ ایسا نہ ہو کہ باجرے کی طرح ان کا بیج بھی جل کر خاک ہو جائے ۔۔۔"

"ماسا اگر کنک کا بیج بھی ختم ہو جائے اس بستی میں سے تو پھر یہ کھائیں گے کیا ۔"؟

"تمہیں اس سے کیا ؟ تم تو کنک نہیں کھاتے ۔ تم تو وہی کھاتے ہو جو تمہیں ان رکھوں میں مل جاتا ہے ۔ تم ان کے لئے کیوں دکھی ہوتے ہو جو تمہارے لئے دکھی نہیں ہوتے ۔۔۔ تم ابھی تک وہاں ہو ۔۔ ادھر نہیں آئے" ۔۔۔

پاروشنی نے یہ کہا کہ یہ وہ پانی نہیں" ۔۔

"ہاں ۔۔۔ ہاں تو وہ جان گئے کہ وہ ٹھیک کہتی ہے ۔ اصل میں وہ پہلے سے جانتے تھے کہ اس بار کھیت سوکھے رہیں گے ۔ پر ان کا جی نہیں مانتا تھا ۔ وہ سب کچھ دیکھتے تھے پر ان کا جی نہیں مانتا تھا اس لئے وہ یوں اپنے آپ کو ہلکان کرتے رہے اور اب وہ سارے چپ ہیں ۔ ایک آلکس ہے جس میں وہ سانس لیتے ہیں ۔ کچھ تو کھیتوں میں سے بیج ڈھونڈتے ہیں اور تم جانو مٹی میں ملے ایک بیج کو ڈھونڈنا کتنا مشکل ہے اور وہ اگلے برس کے لئے اسے سنبھالتے ہیں پر کچھ تو بس آلکس میں سانس لیتے ہیں اور اپنے چھپروں تلے پڑے رہتے ہیں اور ان بڑے بڑے مٹوں میں ہاتھ لٹکا کر ٹٹولتے ہیں کہ کنک کتنی باقی رہ گئی ہے کھانے کو ۔۔۔۔"

"کنک تو اتنی ہوتی ہے جتنی کہ اگلی فصل تک کام دے جائے تو کنک کتنی رہ گئی ہوگی ۔۔۔ یہ کھائیں گے کیا ۔؟"

"تم ابھی تک وہیں ہو" ۔۔۔ ماسا بولا پر غصّے سے نہ بولا ۔۔۔ "پر میں یہاں کی سوچتا ہوں ، یہ ہماری بستی ہے"

تب اسے بھوں بھوں کر کے رونے کی آواز آئی جو چیوا کی تھی جو رکھوں میں آنے کے بعد اپنی حیاتی میں پہلی بار رو رہا تھا اور وہ روتے ہوئے اتنا بودن لگ رہا تھا کہ ماسا پھر سے ہنسنے لگا اور اس کی طرف انگلی اٹھا کر کہنے لگا ۔۔ "روتا ہے یہ ابھی تک وُہیں ہے ۔ اُن کے لئے دکھی ہے ۔۔ روتا ہے ۔۔" یہ کہہ کر ماسا دوسرے رکھ پر جا بیٹھا تاکہ وہ آرام سے رو لے ۔

اور دوسرے رکھ پر بیٹھنے کے بعد اس کے اندر بھی گھبراہٹ پھیلی کہ رکھوں میں جو ایک دو جوہڑ تھے جو مینہ سے بھرتے تھے اب سوکھنے کو تھے اور رکھ بھی سوکھتے تھے ۔ اس کے اندر بھی گھبراہٹ پھیلی ۔

تیز ہوا کانوں اور ناکوں کو سُن کرتی تھی پر گلیوں ، ویہڑوں اور کھیتوں میں باریک دھول تپتی تھی اور فضا میں گھلتی تھی اور پھر وہیں ٹھہر جاتی تھی ۔۔۔ اسی بار پوہ ماگھ کی دھوپ میں بھی ایک گرم چبھن تھی جو بدن کو خشک کرتی تھی ۔

ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کریں اور اپنی سویر دوپہر اور شام کو کیا کریں ۔۔۔ کھیت اب کھیت نہ تھے دُھول کے میدان تھے ۔۔۔ وہاں کرنے کو کچھ نہ تھا ۔ انہوں نے پہلی بار جانا اور اس جاننے پر انہیں اچنبھا بھی ہوا کہ ان کی پوری حیاتی ایک بیج کے چار چفیرے بسر ہوتی ہے ۔ بیج کے لئے کھیت کھودنا، اسے مٹی میں دبانا ، پھر پانی کا انتظار اور جب وہ آجائیں تو انہیں چار دیواری میں گھیر کر ٹھہرائے رکھنا تاکہ وہ دیر تک کھڑے رہیں اور مٹی کو سینچیں اور بیج تک پہنچیں اور پھر پھوٹ کی رُت شروع ہونا اور کھیت سے گھاس پھونس کا اگاؤ اور اکھاڑنا ۔۔۔ ڈنگروں کے لئے چارہ اور ان کا گوبر کھیت میں ۔۔۔ اور ہانڈی میں وہ سبزیاں جو کھیت کی منڈیروں پر پھیلتی ہیں ۔۔۔ ان کے پاس سوائے کھیت کی بات کے اور کچھ نہ تھا اور اُس بات کے نہ ہونے سے وہ گونگے ہو گئے تھے ۔ ایک واہک چاند اور تاروں کی بات نہیں کرتا اسے تو اپنے ڈھور ڈنگر کے اچھے برے ہونے کا فکر ہوتا ہے دودھ کی کمی پر اس کے ماتھے پر سلوٹیں پڑتی ہیں ۔ دودھ میں چیتر کے سبزے کی بُو پڑ جانے پر سوچتا ہے ۔۔۔ تو اب ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا ۔ وہ اِدھر اُدھر پڑے رہتے جیسے وہ آلکس کے مارے ہوں پر وہ ڈھے گئے تھے ۔ وہ گھاگھرا سے روٹھے پھرتے تھے اس طرف دیکھتے نہ تھے ۔ انہیں بڑا دکھ تھا کہ ان کے ساتھ اس نے ایسا کیا اور وہ ادھر بہت کم جاتے تھے ۔ پینے کے پانی کے لئے کنویں بہت تھے اور ان کا پانی بہت ٹھنڈا تھا ۔ کنک اور دال جو بھڑولوں اور مٹوں میں تھی بس اتنی تھی کہ ایک دو ماہ اور چل جائے اور وہ بھی سب کے پاس نہ تھی ۔ پنکلی کے علاوہ اور لوگ بھی اپنے بچوں کو رکھوں میں بھیج دیتے اور وہ وہاں سے پیلو اکٹھے کر لاتے یا نیچے جھاڑیوں میں چھپا کوئی خربوزہ

ڈھونڈ لاتے ۔۔۔ ہاں مچھلی بہت تھی اور جنہوں نے کبھی مچھلی کا ماس نہیں کھایا تھا وہ بھی دریا کے پانی میں کھڑے دکھائی دیتے ۔۔۔ مچھلی یوں بھی بہت تھی ، پہلے اتنی نہ تھی ۔ پر اس کے ماس کی گرمی ان کو راتوں کو بہت تنگ کرتی ۔۔۔ اگر وہ سکھی نہ تھے تو دکھی بھی نہ تھے ۔ وہ کھانے پینے کے بارے میں زیادہ فکر نہیں کرتے تھے صرف یہ کہ ان سے ان کے سویر شام الگ ہو گئے تھے اور ایسے سویر شام آ گئے تھے جو ان کے لئے اوپرے سے تھے ۔ وہ جانتے نہیں تھے کہ ان کا کیا کریں ۔۔۔ پہلے تو ایسا ہوتا کہ وہ گھروں سے نکل جاتے اور جب کھیتوں میں پہنچتے تو وہاں خشکی ہوتی اور دور سے وہ سبزہ دکھائی نہ دیتا جو پانی کے آنے کے چند دنوں بعد پھوٹتا ہے تو وہ دل بہت چھوٹا کرتے اور وہیں پڑے رہتے ۔۔۔ پھر وہ ایک دوسرے کے پاس آنے جانے لگے ۔۔۔ چند روز بعد وہ اس میل سے بھی اکتا گئے اور پھر اپنے چھپروں میں رہنے لگے ۔ کنک کا کچھ بیج تو انہوں نے نکال کر سنبھال لیا تھا اور انہیں اگلے برس کے پانیوں کی اڈیک تھی ۔۔۔ اور تب تک ان کے سویر شام اسی ڈھنگ میں گزرنے تھے ۔

پکلی نے آواچڑھانا چھوڑ دیا تھا ۔۔۔

ان کے پاس کچھ رکھنے کو نہ تھا اور وہ بھانڈے ٹنڈر کا کیا کرتے ۔۔۔ ڈورگا اپنے موہنجو میں تھا ۔ اس نے اس پر چھپر ڈال لیا تھا اور بہت کم باہر نکلتا تھا ۔ اسے کھانے پینے کی کچھ پرواہ نہ تھی ۔ پکلی اس سے پوچھتی تو وہ کہتا ، بھلی لوگ ہیں اپنے گھر میں ہوں اور میں نے اور مجھ سے پیچھے بہت سارے لوگوں نے کھانے پینے کے بغیر ہی زندگی گزاری ہے ۔ ہمیں اس کی عادت ہے ۔۔۔ میں اپنے گھر میں ہوں ۔

شام ہوتی تو سب لوگ چولہوں میں اپلے رکھ کر سلگاتے تاکہ ان کا دھواں اٹھے اور ناک میں جائے اور بتائے کہ کچھ پک رہا ہے ۔ چاہے ایسا ہو یا نہ ہو ۔۔۔ وہ ایسا ضرور کرتے ۔۔۔ سمرو ان میں سے یوں الگ تھا کہ وہ دریا سے نہیں روٹھا تھا وہ شام ڈھلے ضرور ادھر جاتا اور کنارے پر بیٹھ کر اسے ایسے دیکھتا جیسے اسے اب بھی امید ہو کہ یہ دھیرے سے بہتا پانی اونچا ہونے لگے گا اور پھر اس کی آنکھوں کے سامنے کنارے پار کر کے کھیتوں میں پھیلے گا ۔

ورچن نے ایک بار سوچا کہ اگلے پانی تک وہ کسی اور بستی میں چلا جائے ۔۔۔ اور ایک روز پاروشنی کے چولہے کے پاس بیٹھے چنگیر میں رکھی دو تین روٹیوں کو تکتے اور اپلوں کا دھواں ناک میں محسوس کرتے وہ خاموشی سے اٹھا اور باہر چلا گیا ۔۔۔ پاروشنی نے اسے اٹھتے دیکھا مگر چپ رہی ، اسے شک تھا کہ وہ وہیں جائے گا جہاں سے آیا تھا اور جب وہ گلی میں آیا تو اس نے کالی

بنگن کے کسی گھر میں اس سمے اکیلی بیٹھی عورت کو لوٹنے کا سوچا صرف اگلے پانی تک اور پھر اس کا منہ کھلا اور وہ یکدم خوفزدہ ہوا کہ کالی بنگن بھی تو گھاگھرا کے کنارے ہے اور وہاں بھی بڑے پانی نہیں آئے ہوں گے اور وہاں کے لوگ بھی کہیں اور جانے کا سوچتے ہوں گے تو اس نے جانا کہ کوئی کہیں نہیں جاسکتا ۔ اسے وہیں چھپر چھاؤں ملتی ہے جہاں کا وہ ہو ۔۔۔ اور وہ واپس پاروشنی کی چنگیر پر آبیٹھا اور روٹی کھانے لگا ۔

پاروشنی بولی ۔ "میں جانتی ہوں تمہارے دل میں کیا تھا جب گئے ہو اور اب کیا ہے جو آئے ہو" ۔

ورچن نے جواب نہ دیا ۔

منہ اندھیرے پاروشنی بستی کی گلی میں سے نکلتی تھی اور اس کے چلنے سے دھول اٹھتی تھی اور وہیں ٹھہرتی تھی ۔ اس نے گلی کے آخر میں پہنچ کر اپنے سینے کا لیڑا ڈھیلا کر کے دوبارہ باندھا اور پھر چلنے لگی ۔۔۔ اسے کہیں جانا نہیں تھا پر وہ اپنے چھپر تلے اتنی دیر لیٹی رہی تھی کہ اس کی کنڈ دکھنے لگی تھی اور وہ نکلنا چاہتی تھی ، کہیں جانا چاہتی تھی ۔۔۔ اور وہ جارہی تھی ۔۔۔ اور اسے کہیں جانا نہیں تھا ۔۔۔ چیوا کا چھپرا بھی وہیں تھا جہاں گاگری کے پاؤں ہمیشہ رکتے تھے اور اس کا مال ڈنگر ادھر ادھر چرتا پھرتا تھا پر اب اس چھپر والا رکھوں میں تھا اور گاگری کو مکوڑے کاٹ کاٹ کر لے جاچکے تھے ۔ چھپر سے گزر کر کھیپ اور چھپری کی جھاڑیوں میں سے ہوتے ہوئے کترن کے جھنڈ کے قریب سے ڈوبو مٹی کا علاقہ شروع ہو رہا تھا ۔۔۔ پر اب وہ ڈوبو مٹی نہیں پیڈی مٹی تھی ۔ پاروشنی اس راستے کو جانتی تھی جس پر سے وہ گزر کر رکھوں میں جاتی تھی پر اب اس کی کیا ضرورت تھی ۔ وہ ڈوبو مٹی پر چلنے لگی جواب ڈوبو نہیں تھی اور اسے عجیب سا لگا ۔ پہلے تو یہ لگا کے یکدم اس کے پاؤں ڈوبیں گے اور وہ نیچے ہونے لگے گی پر یہ مٹی اب اتنی پیڈی ہو چکی تھی جتنی کہ بستی کی گلی کی تھی یا دریا کنارے کی تھی ۔۔۔ اس مٹی میں کون کون گیا اور اس کا اتہ پتہ نہ رہا ۔۔۔ یہ اوپر سے ایسے لگا کرتی تھی جیسے کسی کھیت میں سبزہ لگ رہا ہو اور اس پر مچھر اور مکھیاں اڑتے ہوں اور اس سبزے پر پاؤں دھرو تو ۔۔۔ نیچے ۔۔۔ اس کے سامنے کئی بار ایسا ہوا ۔ بستی کے کئی لوگ نیچے گئے ۔۔۔ بچے بھی ۔۔۔ جنور بھی ۔۔۔ اور اب وہ ان سب پر ، لوگوں بچوں اور جنوروں کے اوپر چل رہی تھی اور وہ کہیں نیچے تھے مٹی میں مٹی ۔

اور اس نے ایک مرتبہ پھر کترن کے ایک جھنڈ میں پندرو کو دیکھا ۔ وہ گردن اٹھائے ادھر

ادھر دیکھتا تھا اور اس کا باقی جسم بالکل ساکت تھا ۔ تب پاروشنی کے پاؤں تلے ایک سوکھا پتہ چرمرایا اور پندرو کے کان تھرتھرائے اور وہ چھلانگ لگا کر رکھوں کے قریب چلا گیا ۔ اس کی بھاگ بھی پہلے سے کم تھی ۔ وہ بھی تو برسوں کے بھار تلے آیا ہوا تھا ۔۔۔ وہ گردن موڑ کر اسے خاصی دیر تکتا رہا جیسے پہچاننے کی کوشش میں ہو اور جونہی وہ قریب ہوئی وہ اطمینان سے چلتا ہوا رکھوں کے اندر چلا گیا ۔۔۔ پاروشنی بھی اسی راستے سے ان کے اندر داخل ہوئی ۔۔۔ اسے کہیں نہیں جانا تھا پر وہ رکھوں کے اندر داخل ہوئی اور یہاں اسے چلنے میں دشواری پیش آئی ۔۔۔ بہت سارے تنے راستہ روکتے تھے اور ٹوٹی ہوئی اور سوکھی ہوئی ٹہنیاں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں ۔۔۔ اور جہاں مٹی تھی وہ بھی دھول تھی ایسے جیسے بستی کی گلی میں ہو باریک اور دھوپ سے تپتی ہوئی ۔۔۔ پوہ کے مہینے میں بھی ایسا ہی تھا ۔ یہیں پر بانجھ عورتوں کا پیپل تھا جو ابھی گرا تو نہیں تھا پر اندر سے بالکل خالی ہو چکا تھا اور اس کی سوکھی ٹہنیوں سے بندھی لیریں اپنے رنگوں کو کھو کر بدرنگ ہو چکی تھیں اور ان کے دھاگے بے بسی سے لٹکتے تھے ۔ تنے پر موٹے موٹے سیاہ دھک مکوڑے قطار بنائے اوپر کہیں جا رہے تھے ۔ پاروشنی جانتی تھی کہ ماسا یہیں کہیں ہے اور وہ سارا وقت کان لگائے ذرا سی آہٹ پر اوپر دیکھنے لگتی کہ شائد وہ ہو پر وہ نہ ہوتا کوئی پکھیرو ہوتا، گلہری ہوتی، وہ نہ ہوتا ۔۔۔ پر وہ وہاں تھا ۔۔۔ چیوا اسی کے پیچھے پیچھے کودتا آتا تھا اور وہ چپ چاپ پاروشنی کے اوپر دائیں بائیں آکر جھپٹے چلے آرہے تھے ۔۔۔ دھوپ رکھوں کے اندر تک آتی تھی اور کئی جگہوں پر تو اتنی تیز تھی کہ یوں لگتا جیسے کوئی سوکھا کھیت ہو رکھوں کے اندر کی زمین نہ ہو ۔۔۔

"یہ کہاں جاتی ہے؟" چیوا ماسا کے کان پر ہونٹ لگا کر بولا ۔

ماسا نے دانت نکال دئے اور وہ نیچے پتوں پر آہستہ آہستہ پاؤں دھرتی پاروشنی کو دیکھتے ہوئے سرگوشی میں بولا "اس نے کہاں جانا ہے ۔ یہ کہیں نہیں جا سکتی"

پاروشنی نے چونک کر اوپر دیکھا ۔۔۔ اوپر ایک سوکھی بیری کے پتے تھے اور کچھ نہ تھا ۔۔۔ وہ ستانے کو بیٹھ گئی ۔

ان راتوں میں جب بڑے پانی آنے کو ہوتے تب ادھر ایک گیلی اور ہانپنے والی گرمی ہوا کرتی تھی ۔ اس کے جتے سے پسینہ پھوٹتا تھا اور تب روز ہی مینہ برستا تو ادھر رکھوں کے اندر ایک نمی سے بوجھل ہوا سارا دن دم سادھے موجود رہتی ۔ اب پچھلے چھ سات برس سے پتوں ٹہنیوں اور جھاڑیوں پر جمی دھول جوں کی توں تھی ۔ مینہ برستا تو دھلتی ۔۔۔ اور پانی کی کمتی ہوئی تو نیچے کا

گھاس پھونس بھی سوکھ گیا اور اس کی جگہ کانٹے دار جھاڑیاں جنہیں پانی کی ضرورت نہ تھی پھیل رہی تھیں اور ان میں سے ایک کے ساتھ پیلو لگتے تھے جو ماسا شوق سے کھاتا تھا ۔ وہ ستانے کے لئے بیٹھی تھی پر اس پر آلکس اثر کرتی تھی اور وہ سست ہو کر سوکھے پتّوں پر لیٹ گئی اور اس کی آنکھیں بند ہونے لگی ۔۔۔ اُس نے اپنے دونوں لیڑے ڈھیلے کئے اور بازو پر سر رکھ کر لیٹ گئی ۔ پتّوں میں طرح طرح کے مکوڑے اور مچھروں ایسے رانگلے کیڑے تھے جو ان کے نیچے اوپر چلتے تھے اور پتّے جیسے سانس لیتے ہلتے تھے ۔

۔۔۔ پاروشنی کے اندر ایک ڈر تھا جسے نکالنے کو شائد وہ ادھر آتی تھی پر وہ نکلتا نہ تھا ۔ وہ وہیں تھا اور دھیرے دھیرے جڑیں پکڑ رہا تھا ۔۔۔ جیسے وہ جان گئی تھی کہ بڑے پانی اس بار نہیں آئیں گے ایسے ہی وہ کچھ اور جان گئی تھی اور اس کچھ اور کا ڈر اس کے اندر سے نکلتا نہ تھا ۔۔۔ اس نے بانجھ عورتوں کے پیپل کا سوچا جو اب بیکار ہو گیا تھا ۔ اور ادھر کوئی نہ آتا تھا ۔ اس کا ہاتھ نیچے ہوا اور اپنے بیج پر جا ٹھہرا ۔۔۔ کیا یہاں اب بھی اتنی گرمی اور نمی ہے کہ بیج پھوٹ سکے یا مجھے بھی پیپل کے ڈال کے ساتھ ایک ٹاکی باندھنی ہوگی ، ایک ایسے کے لئے جو چپ نہ چلا جائے بلکہ روئے اور ایسا روئے کہ مجھے ہلا دے تب میں ہوں گی ورنہ میں تو نہیں ۔۔۔ پر اس نے تو تب سے ورچن کو یا سمرو کو پاس نہ آنے دیا تھا، اس کے اندر مرد کا میل گم ہو چکا تھا۔۔۔ پر وہ ان دونوں کے لئے یوں کڑھتی اور یوں سکھی ہوتی جیسے ان کی میّا ہو ۔۔۔

اس کی کنڈ پر ایک ایسی گرم اور بھیگی ہواڑ پھیلی جو اس کے جتّے کو جاتی تھی اور جسے وہ جانتی تھی۔ اس نے فوراً پاسا نہیں پلٹا کہ کون ہے بلکہ وہ سانس روکے کان لگائے لیٹی رہی ۔۔۔ پتّوں پر اس کے پاؤں تھے، جھکی ہواڑ تھی اور وہ چرمراتے تھے کیونکہ وہ ایک بھاری وجود کے نیچے تھے ۔ اس کا وہ ہاتھ جو اس کے بیج پر رکھا گیلا ہوتا تھا وہیں رہا کیونکہ اس نے بتانا تھا کہ اس ہواڑ کو کنڈ پر پھیلنا ہے یا اس کے اندر تک جا کے اس کے بیج جتّے میں پھیلنا ہے ۔ وہ اسے اپنے سُموں تلے پیس سکتا تھا ۔ اس کا سرمہ بنا سکتا تھا ۔ ڈورگا کو اس نے ادھیڑا تھا اور یہ یہیں پر ہے ان رکھوں میں، ان چھدرے ہوتے رکھوں کے اندر اور اب اس کی تھوتھنی اس کی کنڈ کو ایسے سونگھتی تھی جیسے وہ ہلکائی ہوئی ہو اور پھر اس نے اس کی زبان کھردری اور گیلی زبان اپنی کنڈ پر محسوس کی اور اس کے پنڈے پر جب وہ ہولے سے چلی تو اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور بدن تھرتھرانے لگا اور وہ دم روکے پڑی رہی کہ یہ زبان اور چلے اور وہاں پہنچے جہاں اس کا ہاتھ دھرا تھا اور

گیلا ہوتا تھا اور یہ اس کے اندر پھیل جائے اور وہ سیدھی ہوتی گئی۔

ماسا نے اوپر ٹہنیوں میں سے اپنا جبڑا آگے کر کے دیکھا تو نیچے صرف بھینسا نظر آیا ۔ وہ ایسے لرز رہی تھی جیسے پانی میں اُگے سروٹ بہاؤ کے زور سے لرزتے ہیں ۔۔۔ اس کا جی چاہا کہ وہ سیدھی ہو جائے اور اپنے آپ کو پھیلا دے ۔۔۔ اور وہ سیدھی ہو گئی اور اس نے اپنے آپ کو پھیلا دیا اور سیاہ لشکتی جلد والا اس کے اوپر تنا کھڑا تھا ۔ اس کی آنکھیں بند ہوئیں کہ اب وہ آئے گا اور اس کا جسّہ کانپنے لگا اس سواد کے لئے جو پھوٹنے کو تھا اور دم روکے ہوئے تھی ۔۔۔ اور پھر اس پل اسے یوں لگا جیسے وہ گھاگھرا کے دوسرے کنارے پر ریت میں گیلی اور بے سدھ ہے اور وہ آچکا ہے اور اس کے کان اس کے رونے کی آواز پر لگے ہیں کہ یہ روئے تو میں جانوں کہ یہ آگیا ہے اور وہاں چپ ہے اور وہاں خاموشی ہے اور وہ ہے تو سہی پر وہ روتا نہیں ۔۔۔ اور تب وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی ۔ اٹھی اور اس کی طرف نگاہ کئے بغیر اندھا دھند بھاگنے لگی ۔۔۔ اس سے پرے ہونے کے لئے اس سے دور ہونے کے لئے ۔۔۔ پہلے تو وہ خود تھی جو ہانپتی جاتی تھی اور پھر اس کے سموں کی دھمک سنائی دینے لگی ، وہ اس کے پیچھے آتا تھا ۔ اب میں تمہارے بس میں آنے والی نہیں ۔۔۔ وہ سوکھے پتوں اور ٹہنیوں مرے ہوئے جنوروں کی ہڈیوں اور گرے ہوئے رکھوں کو پھلانگتی بھاگتی تھی اور آخر کو رکھ بہت پیچھے رہ گئے اور وہ لمبے سینگوں اور کوہان کے بغیر زیبو بیلوں کے باڑے کے قریب آگئی ۔۔۔ دیوار کے ساتھ چارے کے گٹھے ہوا کرتے تھے پر اب وہاں تھوڑی سی پرالی پڑی ہوئی تھی ۔۔۔ چارہ ، مینہ اور پانی کے نہ ہونے سے کیسے ہوتا ۔۔۔ بستی والے مشکل سے اپنے ڈھور ڈنگر کے لئے بندوبست کرتے تھے ۔ تو وہ اِن بے کار اور نسل بڑھانے والے بیلوں کے لئے چارے کے گٹھے کہاں سے لاتے ۔۔۔ وہ باڑے کہ قریب ہوئی تو اس نے پہلے کی طرح دھروا کو دیکھا جو دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا ۔ مامن ہمیشہ یہی کہتا رہا کہ میں یم کتوں کو رات سوتے میں دیکھتا ہوں اور میں آج گیا کہ کل گیا اور یہ ابھی تک یہیں ہے اتنے برسوں سے اور یہی کہہ رہا ہے کہ میں دریا کے پار گیا کہ گیا ۔۔۔ پر اب یہ نرا ڈھانچہ ہے پنجر ہے ، پتہ نہیں اس میں بولنے کی سکت ہے یا نہیں ۔

"پاروشنی ۔۔۔" اس لمحے دھروا کی تیز آواز آئی "تیرے پیچھے کیا آتا ہے جو یوں ہانپتی ایک سودائن کی طرح آتی ہے ۔۔۔ ہوش سنبھال سانس لے ۔۔۔"

پاروشنی رکی تو اس نے دیکھا کہ دُھروا کے سیاہ چہرے پر لکیریں تھیں جیسے وہ روتا رہا ہو ۔۔۔ اور اس کی مہین آنکھوں میں ابھی تک لالی تیرتی تھی ۔

"تجھے پتہ ہے کیا ہوا ؟" وہ خود ہی بولا "آج ان میں سے ایک مر گیا اس لئے کہ بستی والے پورا چارہ نہیں دیتے ان کے لئے ۔۔۔ اور یہ مانا کے بیل ہیں ۔ وہ بے جان پڑا ہے آنکھیں کھولے تو میں اب اُس کا کیا کروں ۔ میں اسے دوسرے مردہ جنوروں کی طرح چیلوں اور کوؤں کے آگے تو نہیں ڈال سکتا ۔۔۔"

"کیوں ؟"

دُھروا کو ایک جھٹکا لگا اس "کیوں" ؟ سے کہ پاروشنی نے یہ کیا کہا "کیوں ؟ یہ زیبو بیل ہیں ۔ "کیا چیلیں ان کا ماس نہیں کھاتیں ؟" پاروشنی دھیرے سے بات کرتی تھی ۔

"تیرے بھیجے میں بھی کچھ ہو گیا ہے" ۔۔۔ دھروا نے مایوسی سے سر ہلایا ۔ تو بس ان کو بول دے کہ آپ بے شک بھوکے رہیں پر مانا کے بیلوں کے لئے چارہ ضرور لائیں ۔۔۔"

پاروشنی سانس ٹھیک کرنے کو بیٹھ گئی ۔۔۔ پسینے سے نچڑتی لنگی کو اس نے کھول کر پھر سے کس لیا" ۔ ان کو چارہ نہ ملا تو یہ سارے مر جائیں گے دھروا مامن ؟"

"تو اور کیا ۔۔۔" دھروا نے منہ پرے کیا چارے بنا تو ہم نہیں رہ سکتے یہ کہاں رہیں گے ۔۔۔"

تو انہیں مر جانے دے مامن ۔۔۔ یہ تو گھاس پھونس سے بھی بڑھ کر بیکار ہیں ۔"

دُھروا کی مہین ٹھوڑی کے ساتھ چپکا گھنگھریالے بالوں کا گچھا ہوا میں سرسرایا اور سرسراتا رہا ۔ دھروا نے پہلے کی طرح اسے اپنی ٹھوڑی سے چپکانے کی کوشش نہیں کی ۔ اس کے سر کی بڑی بہت دکھنے لگی "یہ زیبو بیل ہیں پوتر ہیں" اس کی آواز گلے میں اٹکتی آئی ۔

"جنور نہیں بندے پوتر ہوتے ہیں جو انہیں چارہ دیتے ہیں ۔۔۔ انہیں مر جانے دے" وہ اٹھی اور دھروا کے اچنبھے سے کھلے منہ پر ایک نظر ڈال کر چلنے لگی ، وہ بڑبڑایا پر وہ اس سے دور ہو چکی تھی اس کی ٹانگیں آپس میں بھڑتی تھیں اور گھٹنوں میں تھکاوٹ بیٹھی ہوئی تھی ۔ پگلی کے آوے کے اوپر آسمان خالی تھا ۔ بھکشو ٹیلے کے پاس ہو کر وہ رکی کہ اب کدھر جائے ، بستی کو لوٹے یا آگے ہو کر دریا کو دیکھ آئے ۔۔۔ اور تب اس نے سمرو کو دیکھا جو ادھر تھا اور وہ ادھر چلنے لگی ۔ سمرو نے بھی پیچھے نہیں دیکھا تھا پر وہ جان گیا تھا کہ وہ آتی ہے ۔ سروٹوں میں سے نکل کر وہ ریت اور کنکریوں پر چلتی ہوئی پانی کے قریب آئی جہاں سمرو بیٹھا تھا ۔

---"ہماری ساری حیاتی ایک بیج تو نہیں ---"اس نے کہا"---کہ وہ پھوٹے اور پھر اس کے گرداگرد ہم حیاتی کرتے رہیں --- پانی کٹائی ۔ کھیت ۔ بھڑولے ۔ چولہے ۔ اپلے ۔ موتی منکے اور برتن --- یہ سب ایک بیج کے آس پاس ہی تو ہوتے ہیں ۔ اب وہ نہیں تو ہم کیسے خالی ہوگئے ہیں ۔ ہم ایسے پڑے ہوئے ہیں کہ اگر کیڑے مکوڑے چاہیں تو ہمیں اٹھا کر لے جائیں اور ہم ان کو لے جانے دیں گے ۔ ایسا تو نہیں ہونا چاہئے ۔"

"نہیں ---" پاروشنی نے گھٹنوں پر سر رکھا اور دریا کی طرف دیکھا جدھر سمرو دیکھتا جاتا تھا ۔ "پر ایسا ہوتا ہے ۔ ہم خود حیاتی کا ایک ڈھنگ بناتے ہیں جیسے پکلی ایک جھجھر بناتی ہے تو خود بناتی ہے اور جب اس ڈھنگ میں آگا پیچھا ہو جاتا ہے تو ہم خالی ہو جاتے ہیں ۔"

"پر مٹی سے جھجھر نہ بنے تو پکلی اس کا کوئی اور برتن بھانڈا بنا لیتی ہے ۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جھجھر ہی بنے ---"

"ہاں --- ہم نے وہ ڈھنگ خود جو بنایا ہوتا ہے اس لئے اسے توڑ نہیں سکتے --- اور اس کے ٹوٹنے سے ہم خود ٹوٹ جاتے ہیں --- ذرا اُدھر دیکھو ، اس رُت میں دریا اپنے کناروں کے اندر آرام سے بہاؤ کرتا کیسا اوپرا لگتا ہے جیسے کوئی اور دریا ہو ہمارا نہ ہو۔ اس رت میں تو یہ --- کیسا عجیب لگتا ہے ---"

"پر ایسا کیوں ہوا پاروشنی --- یہ سوال میرے سر میں گھومتا ہے اور مُجھے پتہ نہیں چلتا کہ ایسا کیوں ہوا ہے ۔ ہم آرام سے بیٹھے تھے اور اپنے ڈھنگ سے زندگی کرتے تھے اور ہر شے اپنی اپنی جگہ تھی تو اب مینہ کیوں نہیں برسا ۔ بڑے پانی کیوں گم ہوگئے ---"

"کوئی بھی ڈھنگ --- جینے کا کوئی بھی ڈھنگ جب ٹوٹے تو کہیں نہ کہیں کچھ ہوتا ہے تو وہ ٹوٹتا ہے --- ڈورگا کہتا ہے کہ جب لوگوں کو جنور بنا کے جھکا دیا جائے اور ہزاروں برسوں سے کڑھتے رہیں اور بے بس رہیں اور مرنے اور جینے کے درمیان رہیں تو ان کے کڑھنے سے بہت کچھ ٹوٹتا ہے ۔"

"سمرو کے ہونٹ مسکرانے کو پھیلے اور وہ ریت پر پاؤں مارتا ہوا بولا "لوگوں کے کڑھنے سے بڑا پانی نہیں آتا ۔ یہ کیا بات کرتی ہو ؟

"اس نے ورچن کو بتایا تھا اور ورچن نے مجھے بتایا ہے"

"پر ہماری بستی میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہاں کسی کو جھکایا گیا ہو --- یہاں ڈورگا پہلا بندہ تھا جو جھکا ہوا تھا اور وہ باہر سے آیا تھا ۔ اسے ہم نے تو نہیں جھکایا تو اس کے کڑھنے سے ہماری بستی

میں پانی کیوں نہ آئیں ۔؟"

"میری سمجھ میں بھی نہیں آتا ۔ اور تم مجھے کیوں نہیں بتاتے مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟ ۔

"تم ہم سے آگے ہو ۔۔۔ ہم سے زیادہ بُوجھ رکھتی ہو اس لئے"

پوہ ماگھ کی ہوا میں ایسا نکورپن اور ٹھنڈک ہوتی ہے کہ وہ جُثے کو لگے تو بندے کے اندر خوشی کی پھوٹ شروع ہو جاتی ہے ۔ یہ ہوا انہیں لگتی تھی اور دریا پر کروٹیں بناتی پار اترتی جاتی تھی اور پاروشنی بھی اس کے ساتھ پار اترتی تھی اور کبھی بیچ دریا ڈوبتی تھی اور اس کے ناک منہ میں پانی جا کر اسے بے حال کرتا تھا۔

"تم کہاں تھیں"

"بس ادھر ہی"

ہوا کی کروٹیں پانی میں ابھرتے ٹاپوؤں پر چڑھتی لیٹتی جاتی تھیں ۔

"تم کیوں پوچھتے ہو ؟"

"تم میں سے ایک عجیب باس آتی ہے ۔۔۔ تمہارے جثے میں سے" سمرو نے کہا ۔

پاروشنی چونکی اور اس نے سونگھنے کو ناک سکیڑی "مجھے تو نہیں آتی"

"اپنی باس اپنے آپ کو تو نہیں آتی ۔۔۔" سمرو ہنسا اور اسی کی لنگی پر اٹکے گھاس کے ایک تنکے کو اٹھا کر سونگھنے لگا ۔

"پھر یہ میری نہیں ہوگی" پاروشنی بولی ۔

"نہیں یہ تمہاری نہیں" سمرو نے اس کی چھاتیوں پر ہاتھ رکھا جیسے دیکھتا ہو کہ یہ زندہ ہیں" یہ باس کسی جنور کی لگتی ہے ۔"

"میں رکھوں میں گئی تھی ۔۔۔ شائد اُدھر سے ۔۔۔ پتہ نہیں ۔ نہیں سمرو" اس نے سمرو کا ہاتھ اپنے پرسے پرے کیا "اِدھر ہاتھ مت رکھ ۔۔۔ ابھی نہیں ۔۔۔ ابھی میں ڈر میں ہوں" ۔

"کیا ہے جس سے ڈرتی ہو"

پاروشنی نے جواب نہ دیا اور پھر چپ رہی اور پھر بولی "تم کبھی گم ہوا کرتے تھے اور پھر باتیں کیا کرتے تھے مجھے دیکھ کر ۔۔۔ میری باتیں ، میرے جثے کی اور اپنے آپ کے اندر کی ۔۔۔ اب کیوں نہیں کرتے ؟"

"تم اب میرے سامنے کم بیٹھتی ہو اس لئے" سمرو مسکرایا ۔ "میں تو کیا تمہارے چولہے

کے سامنے پیڑھی پر بیٹھا اور چن بھی ایسی باتیں نہیں کرتا ہوگا۔"

"تمہاری بات میں شک ہے" ۔۔۔ پاروشنی نے سر جھکایا "اس رات ، میرے بیاہ کی رات جب میرے جُتّے پر پکلی کے بیل بوٹے مجھے ایک رُکھ ایسا بناتے تھے میں جھیل سے اٹھ کر اسے چھوڑ کر آئی ادھر آئی تھی ۔۔۔ اور پھر بھی تم شک کرتے ہو ۔۔۔ تم دونوں برابر کے باٹ ہو نہ کم نہ زیادہ ۔۔۔ ہاں کبھی ہوا کے چلنے سے جھکاؤ ایک طرف ہو جاتا ہے پر پل دو پل کے لئے جیسے سروٹ تھوڑی دیر کے لئے جھکتا ہے ۔۔۔ اور پھر سیدھا ہو جاتا ہے ۔۔۔ پھر برابری آجاتی ہے ۔۔۔ پر اب یہ سب کچھ بھی گم ہوا اور میں تم دونوں سے پرے ہو گئی ہوں ۔ ابھی تم نے میرے سینے پر ہاتھ دھرا تھا تو میرا دم گھٹا ۔۔۔ اور آج میں تمہیں بتاتی ہوں کہ تم دونوں یہ جاننا چاہتے تھے کہ وہ جو رویا نہ تھا کس کا تھا تو مجھے خود نہیں پتہ کہ وہ تم دونوں میں سے کس کا تھا تم دونوں برابر کے باٹ ہو۔"

سمرو نے سر ہلایا۔ جیسے وہ سمجھتا ہو پر اسے یہ سب کچھ اچھا نہ لگتا ہو "تم نے ابھی کہا کہ تم ڈر میں ہو تو کیا ہے جس سے ڈرتی ہو ؟"

وہ جھجکی کہ کہے یا نہ کہے ۔۔۔ اور پھر دریا پر نظر ڈال کر اس نے سمرو کا ہاتھ پکڑا اور اسے وہیں اپنی چھاتیوں پر رکھا جہاں اس نے رکھا تھا جیسے ڈر اس کے اندر ہو اور کہنے لگی "مجھ میں کچھ اور کا ڈر ہے ۔۔۔ جیسے میں نے جانا کہ اس بار بڑے پانی نہیں آئیں گے ۔۔۔ اور ایسا پکا پیڈا جانا جیسے میں یہ جانتی ہوں کہ میرے سینے پر رکھا یہ ہاتھ تمہارا ہے اور اس ہاتھ میں تم اپنے ہونٹ رکھتے ہو ۔۔۔ تو اسی طرح میں نے یہ جان لیا ہے کہ بڑے پانی اب کبھی نہیں آئیں گے ۔ پچھلے برس نہیں آئے تو اب نہ اس برس آئیں گے اور نہ اگلے برس اور نہ ۔۔۔ اور بستی کے لوگ راہ تکتے ہیں"۔

سمرو نے اپنا ہاتھ ہٹایا اور اسے اپنے سینے پر رکھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی لنگی کے ساتھ ریت کے ذرّے چمٹے ہوئے تھے جنہیں اس نے جھاڑا اور پھر تھکے ہوئے پاؤں دھرتا وہ پانی کے ساتھ جا کھڑا ہوا ۔ پاروشنی اسے دیکھتی رہی ۔ سمرو نے جھک کر پانی کو ہاتھ لگایا اور پھر ہتھیلیوں کو بھر کر الٹے پاؤں آہستہ آہستہ واپس آیا اور پاروشنی کے منہ کے آگے کر کے کہنے لگا "اس پانی کو پی لو" پاروشنی کی پلکیں اوپر ہوئیں اور اس نے اُس کی ہتھیلی میں لرزتے ایک گھونٹ پانی پر ہونٹ رکھ کر اسے اپنے اندر اُتار لیا۔ سمرو پھر بیٹھ گیا پر اب وہ ایسے سانس لیتا تھا جیسے کسی لمبی مسافت سے آیا ہے اور اس کا گلا سوکھ رہا ہے ۔ "بڑے پانی اب کبھی نہیں آئیں گے ؟" اس کی آواز

جیسے ڈوبی ہوئی تھی ۔

"ہاں" ۔۔۔ پاروشنی نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے سینے پر رکھا"۔۔ وہ کبھی نہیں آئیں گے ۔ یہ دریا اس طرح بہتا رہے گا لیکن اس کے پانی کبھی کناروں سے نکل کر ہمارے کھیتوں تک نہیں جائیں گے اور ہم نے جو بیج سنبھال کر رکھا ہے اس برس کے لئے وہ بھی باجرے کے بیج کی طرح سڑ کر سواہ ہو جائے گا ۔۔۔ تم کہتے تھے کہ ہماری ساری حیاتی صرف ایک بیج تو نہیں ۔۔۔ تو اب ایسا نہیں ہے ۔"

سمرو کی آواز نیچے تھی شائد تہہ میں کنکریوں اور ریت کے ساتھ اور وہ پانی سے باہر آتی تو گم لگتی اور وہ اسی گم آواز میں بولا ۔۔۔ "اور مجھ میں بھی کچھ اور کاڈر ہے" ۔۔۔

"اس سے آگے اور کیا ہو گا ۔۔۔ کہ اب بڑے پانی نہیں آئیں گے اور جب ہماری کنک ختم ہو جائے گی اور جو اَن پانی ہے وہ ختم ہو جائے گا ۔ اور ڈھور ڈنگر کے چارے کا کیا ہو گا ۔ اس سے آگے تو کچھ نہیں"۔

"اس سے آگے ۔۔۔" سمرو پھر اٹھ کھڑا ہوا "اس سے آگے پکلی کے آوے کی ٹھیکریاں ہیں جو کناروں کے ساتھ ساتھ زمین میں ہیں اور بہت گہرائی میں ہیں ۔ اتنی گہرائی میں کہ وہ جانے کب اور کتنے برسوں میں کسی مینہ سے باہر آئیں گی اور جانے مینہ کب آتا ہے اور اس سے آگے اونچے کناروں کے درمیان ایک چوڑا راہ ہے جو بل کھاتا ہوا جاتا ہے اور اس راہ میں سوکھے ہوئے گھونگھے اور پتھر ہیں اور گھڑوں کے ٹوٹے ہوئے گول گلے ہیں اور کہیں کہیں جو ادھر سے گزرتے ہیں وہ رات گزارنے کو اور کچھ پکانے کو آگ جلاتے ہیں تو آگ کی سیاہی ہے جو ٹھیکریوں کو کالا کرتی ہے ۔۔۔ اور ہوا ہے ۔۔۔ یہی ہوا تب ہے پر اس کے راستے میں نہ میں ہوں اور نہ تم ہو ۔۔۔ ہم ویسے ہیں جیسے ڈوبو مٹی کے نیچے گہرائی میں جو گئے تو وہ ہیں مٹی میں نیچے اور دور مٹی ۔۔۔ اور اس سے آگے ۔۔۔"

سمرو ایسے بولتا رہا جیسے ہوا کو بتاتا ہو۔ جیسے دریا سے باتیں کرتا ہو اور پاروشنی وہاں نہ ہو اور وہ نہیں تھی ۔ وہ وہاں تھی جہاں سمرو تھا اور جاتتی تھی کہ سمرو سوتے میں وہاں جاتا ہے جہاں وہ اب تھا ۔۔۔ اور سمرو بولتا رہا ۔

ایک ہی ماہ میں تیسرے بیل کی آنکھیں پتھر ہوگئیں اور اس پر اڑنے والی مکھیوں کی بھنبھناہٹ یکدم سنائی دینے لگی تو دھروا نے اپنی ٹھوڑی سے چند بال پکڑ کر انہیں نوچ لیا ۔

باڑے کے اندر یوں تو پورے چودہ بیل تھے پر ان میں سے چار تو مرے ہوئے تھے ۔ اور ان کے سڑتے گلتے گوشت کی بساند سے ہر شے پھولتی تھی اور سوائے دھروا کے کوئی اور وہاں سانس نہیں لے سکتا تھا اگر لیتا تو اس کے اندر سے سب کچھ باہر آجاتا منہ سے بھی اور اور پیچھے سے بھی ۔۔۔ پہلا بیل تو اس روز مراجب پاروشنی ادھر سے گزری تھی ۔ وہ اسے باڑے سے گھسیٹ کر باہر خشک کھیتوں میں نہیں ڈال سکتا تھا کیونکہ ایسا کرنے سے گدھ اسے نوچتے اور پیٹ بھرتے اور پوتر بیل مرنے کے باوجود اٹھتا اور دھروا کو کھا جاتا ۔۔۔ یہ کہا جاتا تھا کہ اگر یہ بیل ناراض ہوجائیں تو ایک روز چارہ نہیں کھاتے اور پھر اس سے اگلے روز اس بندے کو کھا جاتے ہیں اور اسے پتہ بھی نہیں چلتا بلکہ بستی میں رہنے والوں کو بھی شک نہیں ہوتا کہ اسے کھا لیا گیا ہے ۔ سب یہی سمجھتے ہیں کہ فلاں شخص بہت دنوں سے دکھائی نہیں دیا ، شائد ڈوبو مٹی نے نگل لیا یا دریا میں چلا گیا پر ہوتا یہ ہے کہ اُسے چپکے سے بیل کھا جاتے ہیں اور صرف ان کی آنکھوں کو غور سے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کسی کو کھایا ہے ۔ پر آج تک کسی نے اتنی ہمت نہ کی تھی کہ کسی کے گم ہونے پر وہ دھروا کی آنکھ بچا کر باڑے میں جاتا اور وہاں بیلوں کی آنکھوں میں دیکھتا اس لئے کسی کو یہ پتہ نہ تھا کہ آنکھوں میں دیکھنے سے بھی آخر پتہ کیسے چلے گا کہ اس نے بندہ کھایا ہے تو بوڑھا دھروا مرے ہوئے بیلوں کو بھی ناراض نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس نے انہیں اسی حالت میں چھوڑ دیا ۔۔۔ اور وہ تینوں مرے ہوئے جنور پلپلے پانی ہوئے اور ہڈیوں سے الگ ہو کر بُو دینے لگے اور ان میں مکوڑوں نے راستے بنا لئے پر وہ وہیں پڑے رہے ۔ دھروا باڑے کے اندر جاتا تو دم روک کر جاتا پر باہر آتے جاتے اسے ایک آدھ سانس لینا پڑتا اور اس کی بُو دیر تک اس کے نتھنوں میں چمٹی رہتی ۔ پہلے تو چارے کے گٹھے کم ہونے لگے اور دھروا نے

سب کو بہت بُرا بھلا کہا اور پھر یہ ہوا کہ سارے دن میں ایک آدہ گٹھا آتا ۔ رکھوں کے آس پاس ابھی تھوڑی بہت سوکھی گھاس تھی اور کبھی کوئی ادھر جاتا اور اس کے سینے میں ان جنوروں کے لئے نرمی آتی تو وہ گھاس کھود کر ایک گٹھا بناتا اور باڑے کے باہر دیوار کے ساتھ رکھ کر چلا جاتا۔

پہلا بیل انہی دنوں میں مرا ۔۔۔ پوہ ماگھ کے دنوں میں ۔۔۔ اور پھر چیتر وساکھ میں درختوں اور جھاڑیوں میں پھوٹ شروع ہوئی تو خشکی کے باوجود کہیں کہیں گھاس پھونس نے بھی سر نکالا تو دھروا جاتا اور اسے کھود لاتا اور کبھی کسی بستی والے کو بھی بُرا بھلا کہہ کر اسے گھاس کھودنے پر مجبور کرتا کہ وہ زیبو بیلوں کے لئے اتنا تو کرے ورنہ وہ اسے کھا جائیں گے ، پر یہ تھا کہ اب لوگ ایسے ڈراوے میں کم آتے تھے ۔ وہ خود بے حال تھے اور ان کے جتّے پہلے سے آدھے رہ گئے تھے ۔ تو وہ پوتر بیلوں کے لئے کیا کرتے ۔۔۔ اگرچہ ان کے پاس باجرے اور تِلوں کے بیج نہ تھے ۔ وہ کب کے ختم ہو چکے تھے پر پھر بھی وہ اس چیتر کو دیکھتے تھے جس میں وہ پہلے فصل کی کٹائی کرتے تھے اور ان کے بھڑولے بھرتے تھے اور ان کے پیٹ کنک سے مست ہوتے تھے اور اپنی سوانیوں پر لوٹتے تھے اور اب بھی آسمان کو دیکھتے تھے کہ شائد مینہ آجائے ، فصل کے لئے نہ سہی ان کے لئے سہی ۔۔۔ رکھوں اور گھاس کے لئے اور گلیوں میں ٹھہری دھول کے لئے اور رکھوں میں چھپے جوہڑوں کے لئے جنہیں ماسا اور چیوا سوکھتا دیکھتے تھے ۔۔۔ پر آسمان ویسا ہی رہا جیسا کہ پچھلے چار پانچ برس سے تھا خالی اور بے رنگ جیسے مٹی کا ہو ۔ پھر بھادوں بھی سوکھا گیا اور اسوّں چڑھ گیا اور اسوّں کے پہلے دن سب لوگ ایک بار پھر انہی کاموں میں جت گئے جو گئے برسوں میں وہ کرتے تھے ۔ انہوں نے اپنی کسیاں اور کدالیں کاندھوں پر رکھیں اور اپنے لاغر ڈھور ڈنگر لے کر کھیتوں کو گئے جن میں دھول اڑتی تھی ۔ انہیں تو اب یہ نہیں پتہ تھا کہ کونسا کھیت کس کے حصے میں ہے ۔ جیسے ہر بندہ اپنے مہاندرے سے پہچانا جاتا ہے کہ اس کی ناک ایسی ہے اور ہڈّیاں ایسی ہیں تو ایسے ہی کھیت بھی اپنی فصل اور اُگاؤ سے جانے جاتے ہیں ۔ وہ اگر سوکھے ہوں اور ان میں ایک دو برس سے مینہ نہ برسا ہو پانی نہ ملا ہو تو وہ پہچانے نہیں جاتے ، سب ایک سے ہو جاتے ہیں تو انہیں اپنے اپنے کھیتوں کو جاتے کی مشکل ہوئی ۔ ان کے ڈھور ڈنگر بھی کم ہو چکے تھے ۔ وہ ان کی دُمیں مروڑ مروڑ کر چلاتے تھے ورنہ وہ ایک جگہ کھڑے ہو جاتے تو وہاں سے ہلتے نہ تھے اور جو چلتے تھے تو لڑکھڑا کر چلتے تھے ۔ جن کے تھنوں میں دودھ ہوتا تھا وہ اوپر چلا گیا تھا اور بہت کم نیچے آتا تھا ، چارے کے بغیر دودھ کیسے اترتا ۔۔۔ پر اب ان کو پھر سے یقین ہونے لگا کہ سب کچھ ویسا ہی ہو گا جیسا کہ تھا اور انہوں

نے اپنے اپنے حصے کے کھیت پہچانے اور انہیں پھر سے کھودا اور اتنا ہی پسینہ بہایا جتنا کہ وہ پہلے بہاتے تھے اگرچہ ان کی کتیاں جب زمین کو کھودتیں تو زیادہ گہرائی میں نہ جاتیں ان میں اور ان کے یقین میں زور نہ تھا ۔۔۔ کھیت کھود کر وہ اپنے چھپروں اور گھروں میں آئے اور اپنے اپنے چولہے اور دیئے اور چنگیریں اٹھا کر دریا کے کنارے چلے گئے ۔۔۔ بڑے پانی کو دیکھنے ۔۔۔ پاروشنی نے انہیں ایسا کرتے دیکھا اور دیکھتی رہی ۔۔۔ اگر وہ انہیں یہ سب کچھ کرنے سے روکتی تو وہ بالکل ڈھے جاتے ، اب یہ تھا کہ وہ جُتے تو ہوئے تھے ان کا دھیان تو لگا ہوا تھا ۔۔۔ وہاں دریا کنارے شام ڈھلے سب چولہوں میں اپلے سلگتے تھے پر اب ان کے پاس پکانے کو بہت کم تھا وہ پانی پیتے یا کترن جھاڑی کی جڑیں منہ میں رکھ کر بھوک پرے کرتے ۔ پر جن کے چولہے جلتے وہ تھوڑا بہت بانٹ کر کھاتے ۔ چولہے کنارے پر کہیں کہیں دہکتے اور جب بجھتے تو دریا کے پانی تاریکی میں لوٹ جاتے ۔ اب دیئے نہیں جلتے تھے ۔ سرسوں اور تلوں کا تیل کب کا ختم ہو چکا تھا اور گھی انہیں خود چاہیئے تھا اور وہ بھی تھوڑا تھا ۔

کتیں کے پہلے دنوں میں وہ جان گئے کہ بڑے پانی اس بار بھی نہیں آئیں گے اور وہ چپکے سے اٹھے اور پھر اپنے چھپروں کو لوٹ گئے جیسے یہی ہونا تھا اور وہ تو صرف من پرچانے کو ادھر آبیٹھے تھے ۔ یوں بھی وہ ڈر سب کے اندر تھا ۔ جب وہ کھیت کھودتے تھے تب بھی تھا اور جب دریا کنارے پانی پر نظر رکھتے تھے تب بھی تھا کہ اس بار بھی کچھ نہ ہوگا اور اب کبھی کچھ نہ ہوگا پر وہ یہ سب کچھ کرتے رہے کھیت کھودتے اور پانی کو دیکھتے رہے کہ یہ نہ کرتے تو اور کرنے کو کچھ نہ تھا ۔

ان سب نے اپنے گھروں میں جا کر گھڑوں کی پال میں سے وہ گھڑے اتار کر دیکھے جن میں کنک رکھی جاتی تھی اور وہ سب کے سب خالی ہونے کو تھے ۔

انہی دنوں کوہان کے بغیر سیدھی کمر والا ایک اور زیبو بیل زمین پر بیٹھا اور اس کی ہڈیاں اسے سہار نہ سکیں اور وہ ڈھیر ہوگیا ۔ دھروا باڑے کے باہر بیٹھا تھا اور وہ جان گیا کہ اب یہ بھی گیا ۔۔۔ وہ اٹھا اور بستی کو چلنے لگا ۔۔۔ باڑے کے اندر تین بیل مرے پڑے تھے اور ان میں سے پہلے کی تو نری ہڈیاں تھیں جو کالی ہو چکی تھیں پر باقی دونوں کا کیڑوں بھرا ماس ادھر ادھر حرکت کرتا رہتا ۔ دھروا نے سوچ لیا تھا کہ اگر اب کوئی اور مرا تو وہ اس کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر اسے باڑے سے نکال کر کھلے کھیت میں رکھ آئے گا ۔۔۔ باڑے کے اندر ایک اور مرے ہوئے کے لئے جگہ نہ تھی ۔۔۔ شام سے پہلے پہلے وہ چار پانچ لوگوں کو لے آیا پر وہ آتے نہ تھے اور بہت